رات کا وقت تھا۔ باہر خنکی تھی اور اندر چائے کے تین پیالوں میں سے اٹھنے والی بھاپ کسی مہکتے لحاف کی مانند ہم پر طاری تھی۔ کمرے میں جلتا بلب باہر کے اندھیرے سے نبرد آزما تھا۔ میں، میرا دوست اور ہمارے استادِ محترم توحید صاحب ریڈیو سے ہوا میں تحلیل ہوتی موسیقی کی راہ میں بند باندھے اپنے حصے کا سکون سمیٹ رہے تھے۔ اچانک توحید صاحب نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لگایا اور بولے، ''کیا مصروفیات ہیں آج کل؟'' ان کی اس بات سے میرے دوست کا تو بند ہی ٹوٹ گیا۔ لگا دلِ ناداں کی کارستانیاں سنانے۔ اس کے چہرے کا مد و جزر اس کے اندر بدلتے نقشوں کی کچھ یوں عکاسی کرتا کہ قصہ اور حقیقت گڈمڈ ہونے لگتے۔ آخر کار استاد نے استادی دکھائی اور مجھے دعوت کلام دی۔ میں کچھ دیر تو تذبذب کے عالم میں رہا پھر دل کی پٹاری میں کچھ نہ پا کر اپنی تعلیمی تگ و دو کے روز و شب گنوانے لگا۔

توحید صاحب نے شفقت سے مجھے دیکھا اور گویا ہوئے، ''دیکھ نوجوان، ڈگری اس شہزادے نے بھی کر لینی ہے اور تو نے بھی۔ ہاں جب وقت کا یہ دریا اس پل کے پار نکل جائے گا اور وہ عمر آئے گی جب قصہ گوئی کے سوا انسان کے پاس کوئی ہنر باقی ہی نہیں رہتا، تو تیرے پاس سنانے کو کچھ نہیں ہوگا۔ اُس وقت کے لیے، آج کچھ یادیں سمیٹ لے۔''

978-969-23539-0-8